ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بیاد

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۴ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

۶ اپریل ۱۹۸۴ء

ج : 29
ش : ۶۵

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور

ہدیہ — ۲ روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح ——— محمد سعید الرحمٰن علوی

غیبت ——— سنگین جرم

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قَالَ مَنِ اغْتِیْبَ عِنْدَہٗ اَخُوْہُ الْمُسْلِمُ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِہٖ فَنَصَرَہٗ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَاِنْ لَّمْ یَنْصُرْہُ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِہٖ اَدْرَکَہُ اللّٰہُ بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب)

ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان سے خیر خواہی، ہمدردی اور باہمی محبت کا ہونا چاہیئے۔ جس طرح کسی کی تعریف اس کے منہ پر خوشامد یا ریاکاری ہے اور اسے نبی کریم علیہ السلام نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح کسی کے گناہ اور کمزوریوں کو اس کے پس پردہ اچھالنا بدترین قسم کا گناہ ہے جسے غیبت کہا جاتا ہے۔ اگر کسی کے پس پردہ اس کے ناکردہ گناہ اس کے سر منڈھے جائیں تو انہیں حدیث میں بہتان کہا گیا ہے جو غیبت سے بھی بدتر گناہ ہے۔ کسی کو کسی کے ساتھ واقعی محبت و تعلق ہے تو اس کی خوبیوں کا اظہار اس کے پس پردہ ہو اور اس کی خرابیوں سے اسے منہ پر نہایت خلوص اور ہمدردی سے آگاہ کیا جائے تو یہ اصل دینداری ہے۔

بدقسمتی سے ریاکاری اور خوشامد کی طرح غیبت ہمارے معاشرے کا جزو لاینفک بن چکی ہے اور کوئی مجلس نہیں ہوتی جس میں یہ گناہ نہ کمایا جاتا ہو۔ اہل علم و صلاح کا حلقہ ہو یا تجّار و رؤسا کا، یا کسی دوسرے کا، اس میں بس یہ شغل چلے گا اور ضرور۔ حالانکہ قرآن عزیز نے اسے مردہ بھائی کا گوشت نوچنے سے تعبیر کیا ہے۔ کوئی شخص صاحب منصب و جاہ ہے یا کسی کی خرابی کا اثر عام معاشرے کو متاثر کرتا ہے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بچانے کی غرض سے کوئی اقدام کرنا تو درست ہے لیکن ہر مجلس و محفل میں یہی شغل ہو کہ فلاں ایسا ہے فلاں ایسا، یہ غایت درجہ کا جرم اور گناہ ہے۔ اس حدیث پاک کے علاوہ متعدد روایات میں اس عنوان پر گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہا جائے اور اس کے بس میں اس کی حمایت ممکن ہو تو وہ ضرور اس کی حمایت کرے (یعنی لوگوں کو اس بُرے عمل سے منع کرے) اس شخص کی اللہ رب العزت مدد کرے گا۔ اور اس مدد کا دائرہ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں ہوگا۔ لیکن اگر طاقت کے علی الرغم اس نے حمایت نہ کی تو ایسا شخص دنیا میں بھی سزا کا شکار ہوگا اور آخرت میں بھی پکڑا

(باقی ۲۸ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین



جلد ۲۹ • شمارہ ۴۰

۳ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ • ۶ر اپریل ۱۹۸۴ء

——— رئیس الادارہ ———

شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور

——— مجلس ادارت ———

مولانا محمد اجمل قادری

محمد سعید الرحمٰن علوی

ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

اس شمارے میں

بدل اشتراک

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
۸۰/-	۴۵/-	۲۵/-

فی پرچہ ۲/- روپے

طابع: منہاج الدین اصلاحی • مطبع شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر، مولانا عبید اللہ انور

مقام: اندرون شیرانوالہ دروازہ، لاہور

ثقافتی یلغار

حکومت اور حاملانِ دین صورتِ حال کی سنگینی کا احساس کریں

اخبارات کی خبر ہے کہ کراچی بندرگاہ پر متعلقہ حکّام نے امریکہ سے درآمد شدہ مخرب اخلاق اور عریاں لٹریچر ضبط کر لیا ہے ——— خبر کے مطابق یہ لٹریچر وزن کے اعتبار سے کئی سو ٹن تھا جسے ذمہ دار حکّام نے ٹھکانے لگا دیا ——— اس قسم کی خبریں کبھی کبھار اخباروں میں چھپتی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کونے کھدرے میں انہیں برائے نام جگہ مل جاتی ہے اور بس ——— اگلی بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ ضبط شدہ اشیاء کہاں جاتی ہیں اور جو لوگ ان کے درآمد کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں انہیں اس "جرم" کی (اگر یہ جرم ہے ——— اور یقیناً جرم ہے جبھی تو ضبطی کا آرڈر ہوا) کیا سزا ملی؟

ہم لوگ جس ملک میں بستے ہیں وہ بہر طور ایک نظریاتی ملک ہے (گو کہ اب تک متعدد ذمہ دار مسلم لیگی اکابر یہ کہہ چکے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ تھی ——— جس کی تازہ ترین مثال سردار شوکت حیات خاں صاحب کا انٹرویو ہے جو روزنامہ جنگ کی زینت بنا ہے اور جس میں سردار صاحب نے واضح طور پر کہا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الّا اللہ محض چند بچوں کا کھیل تھا ورنہ کسی ذمہ دار مسلم لیگی نے یہ بات نہ کہی۔ نہ ہی مسلم لیگ کی کوئی قرارداد اس ضمن میں موجود ہے) اس نظریاتی ملک کی نظریاتی سرحدوں کو مستحکم کرنے کی غرض سے جو کام بنیادی اہمیت کے حامل تھے ان میں یہاں کے نظام تعلیم کی اصلاح و درستگی اور ذرائع ابلاغ کے قبلہ کی صحت بے حد ضروری تھی ——— لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ان معاملات میں مجرمانہ تغافل برتا گیا اور ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری

تمامتر ——— حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے ——— شروع میں مسلم لیگ برسراقتدار آئی کہ اس ملک کے بنانے کا سہرا اسی کے سر تھا (؟) اور کسی نہ کسی طرح ۱۹۵۸ء تک وہ برسرِ اقتدار رہی ——— لیکن اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں۔ کہ یہ دور تمامتر محلاتی سازشوں کا دور تھا۔ ارباب لیگ مرکز سے لے کر صوبوں تک ہر جگہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی فکر میں رہے۔ اس محبوب مشغلہ کے لئے انہوں نے اپنے زعم میں نظریہ پاکستان کے دشمنوں تک کو گلے لگا لیا۔ جس کی واضح مثال ڈاکٹر خانصاحب ہیں جنہیں ون یونٹ حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا، ایوب خاں، سکندر مرزا اور چودھری محمد علی کی شکل میں فوجی حضرات اور بیوروکریٹس کو اقتدار کا راستہ دکھانے والے بھی یہی حضرات تھے۔ اور سب سے بڑھ کر ان حضرات کی امریکہ دوستی اور مرزائیت نوازی تھی انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں صرف لاہور لاہور میں دس ہزار کے قریب نوجوانوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا لیکن امریکہ کے لے پالک چودھری ظفراللہ خاں کو وزارت سے علیحدہ نہ کیا ——— ان سیاہ جرائم کا نتیجہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کی شکل میں سامنے آیا اور اُس وقت سے اب تک کلی یا جزوی شکل میں مارشل لاء ہی اس ملک کا مقدر ہے ——— ایوب خان اسی فکر میں تھے کہ وہ اس ملک کے ایسے حکمران بن جائیں کہ ان کے بعد ان کی اولاد یہ منصب سنبھال لے ——— جب سوچ یہ ہو تو پھر کسی تعمیری کام کی توقع ہی عبث ہوتی ہے۔ یحییٰ خان اولاد کے لئے نہ سہی لیکن کم از کم اپنی ذات تک کے لئے اس قسم کی خواہش ضرور رکھتے اور انہوں نے الیکشن کرایا بھی تو اسی نیت سے کہ ان کے منہ لگے کامیاب ہو جائیں تو وہ کرسئ صدارت پر براجمان رہیں ——— ایسا نہ ہؤا تو ملک داؤ پر لگ گیا اور بھٹو صاحب سامنے آ گئے۔ بھٹو صاحب کی واضح سوچ تھی اور وہ اپنی صاحبزادی کو "اندرا گاندھی" بنانے کی فکر میں تھے لیکن تقدیر کا لکھا ان کے سامنے بھی آ گیا اور ملک پھر سے مارشل لاء کا شکار ہو کر رہ گیا، اس مارشل لاء کے ذمہ داروں کی خوش قسمتی یہ تھی کہ انہیں اقتدار ایسے موقع پر ملا جب عوام کی اکثریت نظام شریعت کے لئے بے چین تھی پھر انہیں بعض اسلام کی علمبردار اور جمہوریت نواز سیاسی طاقتوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ اس پس منظر میں انہوں نے اسلام کو اپنا نعرہ بنا لیا اور وہ اب تک اسی نام کے سہارے جی رہے ہیں ——— ان کے دور میں سوئے ہوئے فتنے پیدا ہوئے ——— مرزائیت پہلے سے زیادہ قوت سے ابھری ——— شیعہ اسکول اس انداز سے سامنے آیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی ——— فرقہ واریت کے علمبردار ساون کے بادلوں کی طرح وطن عزیز کے افق پہ ابھرے اور برابر گرج چمک کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور حکومت ہے کہ ان معاملات کی سنگینی کا احساس رکھنے کے باوجود کوئی فکر نہیں کرتی ورنہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مختلف النوع مذہبی جلسے' ان کے لئے چھپنے والے پوسٹر بند کر دئیے جائیں اور چند ماہ کے لئے لاؤڈ سپیکر مساجد وغیرہ سے غائب کر دیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ فتنے دم توڑ کر رہ جائیں گے لیکن حکومت ان باتوں پر توجہ کیوں دے؟ اس کی عافیت اسی میں ہے کہ لوگ ہنگاموں کا شکار رہیں اور وہ مطمئن ہو کر اپنا کام کرتی رہے جب نقشہ یہ ہو کہ حکمران اپنی خواہشات کی تکمیل کا شکار ہوں' سیاستدان کا مقصد محض حصول اقتدار ہو ——— مشائخ و علماء فرقہ واریت کی جنگ لڑ رہے ہوں تو تعلیم و ثقافت کے نام پر جو الحاد و بے دینی کے سائے پھیل رہے ہیں ان کا مداوا کون کرے؟

(باقی ۶ پر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

تعلق باللہ ہی سے زندگی کے مسائل حل ہو سکتے ہیں

پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم العالی

محترم حضرات و معزز خواتین! یہ مجلس روحانی جس کو ہمارے اور آپ کے شیخ و مربی حضرت لاہوری قدس سرہ نے جاری فرمایا تھا' اس کی برکت سے اللہ رب العزت نے لاکھوں کی اصلاح فرما دی ——— اور ہزاروں کو اسلام کی آغوش میں ڈال دیا ——— اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہمارے آئینہ قلب پر جو میل کچیل جم کر رہ گیا ہے وہ صاف ہو جائے کیونکہ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر چیز پر جم جانے والے میل کو صاف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے۔ جیسے برتن کے لئے قلعی، کپڑے کے لئے صابن، سوڈا، سرف وغیرہ۔ ایسے ہی دل کے میل کو صاف کرنے کے لئے جو صقالہ ہے وہ ذکر اللہ ہے۔ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَّصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ۔

جب انسان کا آئینہ قلب صاف ہو جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا عکس پڑتا ہے اور پھر وہ دل حقیقی معنوں میں عظمت ربانی کا آشیانہ بن جاتا ہے ——— وہ ایک دل ایسے لاکھوں دلوں پر بھاری ہوتا ہے جن میں غیروں کی محبت کا میل جم جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم نے شکوہ کے انداز میں فرمایا کہ

"ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں پہچانا، جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا اور یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست قوت والے ہیں اور غالب ہیں۔"

یہ بنیادی حقیقت ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہا کہ اصل قوت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی ہر چیز پر غالب ہے۔ جن لوگوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اپنے دلوں کو آڑ کباڑ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کو حقیقی طور پر اپنے دل میں بسا لیا انہی لوگوں کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں۔ معاشرہ میں ان کی زیادہ قدر نہیں ہوتی لیکن اس تعلق کا اللہ تعالیٰ کو اتنا احساس ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر کسی معاملہ میں اللہ پر قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں ——— یہ لوگ باہمی تعلق سے جڑ کر جب اکٹھے ہوتے ہیں تو قرآن عزیز انہیں "حزب اللہ" کے نام سے پکارتا ہے اور انہیں اپنی جماعت کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ جماعت غالب ہے ——— فلاح پانے والی ہے۔ نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے ظلمت کدہ عالم میں جب ایمان کے لئے محنت اور جدوجہد کی۔ تو ظاہر ہے کہ ساری دنیا آپ کے خلاف کھڑی تھی سوائے ان چند خوش نصیب افراد کے جن کا چراغ

لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے اپنے کلام میں تمہیں صدیق کہا (اشارہ ہے سورۂ زمر کی آیت کی طرف جس میں سچائی لانے والے محمد (صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ خطبہ انتہائی طویل ہے۔ اس میں جذبات کا طلاطم ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کا عنداللہ و عندالناس کیا مقام تھا۔

ارتحال نبوی کے سانحہ کے وقت

ارتحال نبوی کا سانحہ جس غم اور پریشانی کا باعث تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، صحابہ کبار پر پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہ

"ہم سب رسول اللہ کی وفات کے بعد ایسے حالات میں گھر گئے تھے کہ اگر اللہ رب العزت نے ابوبکر کے ذریعہ ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ آپ نے اس نازک دور میں امت کے کھیون ہار کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ (ترمذی) آپ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، یعنی آپ جہنم سے آزاد ہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے ابونعیم کے حوالہ سے سیّدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا :۔

لَقَدْ حَرَّمَ اَبُوْبَکْرِ الْخَمْرَ عَلٰی نَفْسِہٖ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ ــــ کہ آپ نے عہد جاہلیت میں بھی شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی۔

یہ آپ کی سلامتی طبع کی دلیل ہے اور سیدنا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ عہد جاہلیت میں انہوں نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا ــــ اسی بقول شاہ صاحب حضرت عثمانؓ بھی شراب و بت پرستی سے پاک تھے ــــ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔ کہ

"ان دونوں حضرات (ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما) کی فطرت انبیاء کی فطرت کے مشابہ تھی"۔

ایک موقعہ پر جب بعض حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کو رنج پہنچایا تو نبی کریم علیہ السلام نے اسے شدت سے محسوس کیا اور فرمایا :۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا مگر تم نے مجھ کو جھٹلایا اور ابوبکرؓ نے تصدیق کی۔ اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری غمگساری کی تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکرؓ) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے؟ یعنی ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ گے؟" (بخاری ص۵۱۷ ج۱)

اور انہی ابوبکرؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ واصحابہ وسلم نے فرمایا :۔

"ابوبکرؓ کے مال نے مجھ کو جو نفع پہنچایا ہے کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا"۔

اور مزید فرمایا :۔

"بے شک جان و مال کے لحاظ سے ابوبکر سے زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں ہے"۔

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ خلافت

آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد جو خطبہ دیا اسے صاحب البدایہ والنہایہ ص۲۴۸ ج ۵ نے نقل کیا ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح مختصر الفاظ میں پوری حقیقت الم نشرح کر دی ہے۔ فرمایا :۔

"لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر بُرا کروں تو مجھ کو سیدھا کر دو

سچائی ایک امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کر دوں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ چنانچہ میں اس سے حق لوں گا۔ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں اور جس قوم میں بری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اس پر مصیبت کو مستولی کر دیتے ہیں۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔ اچھا اب جاؤ نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے"۔

غیرتِ دینی

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کا معاملہ ایسا ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں بہمہ وجوہ خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا حضرت نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے رب نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا میں نے وہ ابوبکرؓ کے سینہ میں منتقل کر دیا ــــ اس ایک بات ہی سے ان کی عظمت اور خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالٰے کی بخشی ہوئی دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا اور خلیفہ و حکمران بننے کے بعد اپنی معاشی پالیسی اس طرح مرتب کرنا کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہ تھی۔ خود اپنا مشاہرہ برائے نام تھا، قرآن کی جمع و ترتیب، مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے جنگ، رومی مقبوضات کی طرف کامیاب پیش قدمی جیسے اقدامات ایسے ہیں جن میں سے ایک ایک پر مفصل کلام ہو سکتا ہے ــــ لیکن اس وقت صرف ایک بات پر غور فرمائیں اور وہ ہے ان کی دینی غیرت، اس لئے کہ دین اصل میں نام ہی غیرت و خود داری کا ہے۔ جس شخص میں غیرت نہیں وہ کسی کام کا نہیں ــــ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے مصائب کے پہاڑ تھے اور اس دور میں انہیں مشورہ دیا گیا کہ وہ مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں ذرا نرمی برتیں کہ آخر کو یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں اور تمام دینی احکامات بجا لاتے ہیں محض زکوٰۃ کی ممانعت کی بناء پر ان سے جنگ اور وہ بھی ایسے وقت میں مناسب نہیں۔ یہ بات کہنے والوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

"تمہیں کیا ہو گیا جاہلیت کا دور تھا تو تم بڑے بہادر تھے، آج ایسی بزدلی کی باتیں کرتے ہو؟ یاد رکھو میری لاش مدینہ میں تنہا ہو اسے کتے نوچ کھائیں تو یہ بات مجھے گوارا ہے۔ لیکن دین میں مداہنت، کمی اور نقص برداشت نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اونٹ کی رسی بطور زکوٰۃ جو ملتی تھی۔ اسے بھی کسی نے روکا تو اس سے ابوبکر تن تنہا جہاد کرے گا۔ اور پھر گرج کر فرمایا ــــ ہم زندہ ہوں اور دین میں کمی کی جائے؟ ناممکن ناممکن!

یہی غیرتِ دینی، جذبۂ فدائیت و ایثار، قدم قدم پر ابوبکرؓ کے لئے مشعلِ راہ تھا۔ انہوں نے سوا دو سال کے مختصر عرصہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ ایک ایک مسئلہ پر لکھا اور بولا جائے تو دفاتر تیار ہو سکتے ہیں۔ ان کی غیرت اس طرح کام آئی کہ بیرونی دشمن سہم گئے اور اندرونی طور پر استحکام نصیب ہو گیا ــــ کسی کو خلافتِ اسلامیہ اور امّت کے اجتماعی مفاد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی ــــ ان

(باقی ۶ پر)

مولانا شاہ وصی اللہ

روح تصوف وسلوک

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی اپنی کتاب **القول الجمیل** میں فرماتے ہیں:

جاننا چاہیئے کہ سکینہ پر مداومت کرنے والے کے لئے حالات رفیعہ ہوتے ہیں جو نوبت بہ نوبت اس کو ملتے ہیں۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ اپنے ان حالاتِ رفیعہ کو غنیمت جانے اور یہ سمجھے کہ یہ حالات اس کی طاعات کے عنداللہ مقبول ہونے اور ان کے باطن نفس میں اثر کرنے کی علامات ہیں۔

(شفاء العلیل ص۹۵ ترجمہ)

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ سکینہ کسے کہتے ہیں؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نہ سکینہ کو جانتے ہیں اور نہ صاحبِ سکینہ کو پہچانتے ہیں اور نہ احوالِ رفیعہ ہی سے واقف ہیں اور یہ اس لئے کہ آج اس طریق کو لوگوں نے بدنی سمجھ رکھا ہے۔ یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو پا جاؤ تو بس اس کے بدن پر گرو اسی سے کامیاب ہو جاؤ گے۔ باقی اس میں کسی چیز کے جاننے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں اس بات کو اکثر کہا کرتا ہوں اس لئے کہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں نے طریق کے علم وعمل کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور لطف یہ کہ پیری ومریدی بھی باقی ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کیونکہ مرید تو اسے کہتے ہیں جو اپنی رائے اور ارادہ کو فنا کر کے کسی کامل ومکمل شیخ سے اس لئے تعلق قائم کرے کہ وہ اس کو اس کی رعونت نفس (انانیت) سے نکال کر اللہ تعالےٰ کا عارف بنا دے اور شیخ کے متعلق ابن عربیؒ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ:

زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا ہوا ہے نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو کہ مرید کی خیر خواہی کرے اور اس کو نفس کی رعونت اور خودرائی سے نکالے اور طریق حق اس کے سامنے ظاہر کرے (چنانچہ جب کوئی شیخ کامل نہیں رہ جاتا تو پھر) مرید ہی شیخوخت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے اور یہ سب خبط وتلبیس ہے۔

(آداب الشیخ والمرید ص۸ ترجمہ)

لہٰذا شیخ محقق جب اس زمانہ میں نایاب تھا تو اب ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جو کہ پہلے زمانہ سے یقیناً اچھا نہیں ہے شیخ کامل کے وجود کا کیا حال ہوگا۔ پھر جب شیخ ہی کا وجود نہیں ہوگا تو مرید کہاں سے آ جائیں گے۔ اسی کو کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں پیر بہت ہیں اور مرید کا پتہ نہیں۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ مرید بہت ہیں اور پیر کا پتہ نہیں۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

اصل یہ ہے کہ طریق سے جہالت اور دین سے عدم مناسبت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس کی بھی خبر نہیں کہ طریق میں مقصود کیا ہے اور کون کون سی چیزیں غیر مقصود ہیں۔ اس نہ جاننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے مقصود کو تو چھوڑ ہی دیا اور غیر مقصود کو مقصود بنا لیا۔ اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ اور پیر جو کہ وسیلہ اور ذریعہ تھا اس کو مقصود سمجھ لیا گیا۔ اور اس کے بدنی قرب کو کافی سمجھا گیا اور اللہ تعالےٰ سے صحیح نسبت اور شیخ جس نور، اور دولت کا حامل ہوتا ہے اس کی جانب اصلاً توجہ نہیں رہی۔

طریق کا مقصد اور اس کا منتہا کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے اس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی کتاب میں نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے اسی سے آپ کو سکینہ کی تعریف بھی معلوم ہو جائے گی جس کا ذکر میں نے ابتدا میں کیا ہے۔ اس لئے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت نقل کرتا ہوں اس کے بعد اس کی مزید توضیح کروں گا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

تمام مشائخ کے طریقوں کا مرجع یعنی مقصد ومنتہیٰ اور حاصل ایک ہیئت نفسانی کی تحصیل ہے جس کو صوفیہ نسبت کہتے ہیں۔ (یہاں نفسانی سے مراد شہوانی نہیں ہے جو کہ روحانی کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ نفس سے مراد یہاں نفس ناطقہ انسانی ہے۔ پس ہیئت نفسانی کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے نفس میں حاصل شدہ ایک کیفیت اور حالت) اس لئے کہ اس کے ذریعہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت اور ارتباط حاصل ہوتا ہے اسی نسبت کا ایک نام سکینہ ہے اور اسی کو نور بھی کہا جاتا ہے اور نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو نفس ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا سے باتیں اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(القول الجمیل ترجمہ)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جب طاعات، طہارات، اور اذکار وغیرہ پر مداومت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی ملکہ کا نام نسبت، سکینہ اور نور ہے۔ اور حصولِ نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو ادھر توجہ تام ہو گئی اور اس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہو گیا۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو بندہ سے نسبت ہوتی ہی ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جانِ ناس

یعنی حق تعالےٰ کو مخلوق کے ساتھ ایک ایسا اتصال (یعنی نسبت) حاصل ہے جس کی نہ تو کیفیت کا بیان ہو سکتا ہے اور نہ کسی چیز پر اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے لیکن اس نسبت کے حصول کے طریقے الگ الگ ہیں اور نسبت بطور قدر مشترک کے سبھی طرق میں پائی جاتی ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ جیسا کہ شفاء العلیل میں ہے کہ:

حضور مع اللہ رنگ برنگ ہے جس کسی کو جس قدر تعلق اور محبت اور کسر نفس کی توفیق ہوگی اسی قدر اس میں ملکہ قویہ حاصل ہوگا اور نسبتیں بے شمار ہیں چنانچہ اشغال قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل ہے اور اس پر دوام ومواظبت اور اس کے اندر استغراق ہے تاکہ نفس میں اس مواظبت اور توجہ دائمی سے ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے۔ (تاکہ اس کے بعد پھر غفلت اور ذہول کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور ملکہ کی وجہ سے احکام شرعیہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور ملکات سیئہ کا اثر نہیں ہونے پاتا)

آگے شاہ صاحبؒ بطور دفع دخل کے یہ فرماتے ہیں کہ سلاسل اربعہ میں اشغال صوفیہ سے مقصود نسبت کی تحصیل ضرور ہے لیکن حصول نسبت ان میں منحصر نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

یہ گمان نہ کرنا کہ نسبتِ مذکورہ کی تحصیل کا ذریعہ محض یہی اشغال صوفیہ ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اشغال بھی تحصیل نسبت کا ایک طریقہ ہے جس طرح سے اس کے اور بھی طریقے ہیں چنانچہ ظن غالب اس فقیر کا یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اس نسبت اور سکینہ کو دوسرے طریقوں سے حاصل کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک طریق ان کا یہ تھا کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور خلوت میں

تسبیحات کا اہتمام والتزام فرماتے تھے اور ان تمام امور میں خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ نیز ایک طریقہ تحصیل نسبت کا یہ بھی تھا کہ (ظاہری و باطنی) طہارات پر مداومت رکھتے تھے۔ اسی طرح لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کا ہمیشہ استحضار رکھتے تھے۔ نیز اللہ تعالےٰ نے مطیعین کے لئے جو اجر و ثواب اور انعام واکرام تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب وشدائد مہیا کر رکھے ہیں، ان سب کو برابر پیش نظر رکھتے تھے جس کی وجہ سے لذاتِ حسّیہ سے وہ بالکلیہ چھوٹ جاتے تھے اور ان سب چیزوں نے ان کے قلب سے عیش دنیا کا قلع قمع کر دیا تھا اسی طرح ایک طریقہ حصول نسبت کا پابندی کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے معنی میں غور کرنا اور واعظ و ناصح کی بات پر کان دھرنا اور صمیم قلب سے اس کا سننا تھا۔ اسی طرح سے حدیث شریف کے وہ مضامین جن سے قلوب میں نرمی پیدا ہو ان کا سننا بھی تھا۔

(القول الجمیل ترجمہ)

دیکھئے شاہ صاحبؒ نے طرقِ تحصیل نسبت کی یہاں کیسی وضاحت فرمادی یعنی یہ کہ حضرات صحابہ کرام نسبت کی تحصیل ان ہی تمام چیزوں سے فرماتے تھے ورنہ عام طور پر یہ غلط فہمی ہو رہی تھی کہ حصولِ نسبت کا ذریعہ صرف مشائخ کے اذکار ومراقبات ہی ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ایک طریق ہے۔ اس میں انحصار نہیں ہے۔

اس سے قبل شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ:

اشتغال صوفیہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل اور اس پر دوام اور مواظبت اور اس میں مستغرق رہنا ہے تا آنکہ نفس اس مواظبت اور مداومت سے ملکہ راسخہ کسب کرلے۔

اور اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں (جہاں ان امور کا ذکر کیا ہے جن کے ذریعہ حضرات صحابہ وتابعین تحصیل نسبت فرماتے تھے) کہ:

حاصل کلام یہ کہ حضرات صحابہ وتابعین اشیاء مذکورہ (یعنی اعمال شرعیہ) پر ایک کثیر مدت تک مواظبت ودوام فرماتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اندر تقرب الی اللہ کا ایک ملکہ راسخہ اور ہیئت نفسانیہ حاصل ہوجاتی تھی۔ اسی پر یہ حضرات بقیہ عمر محافظت فرماتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ کیفاً وہ نسبت اور بڑھتی جاتی تھی، یہی وہ نسبت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے واسطے سے متوارث چلی آرہی ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں اگرچہ الوان اس کے مختلف اور تحصیل کے طریقے رنگ برنگ ہیں۔

(القول الجمیل، ترجمہ)

اس میں تصریح ہے کہ سلف ملکۂ راسخہ حاصل کرتے تھے اور بقیہ عمر اس پر مداومت کرتے تھے، فقط نماز روزہ پر بدون اس ملکہ کی تحصیل کے قناعت کئے ہوئے نہ تھے جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ جب تک یہ ملکہ ان کو حاصل نہ ہو جاتا اس کی طلب میں گرما گرمی رہتی تھی اور جب یہ حاصل ہو جاتا تھا تو یہ نہیں کہ ان کو سکون ہو جائے اور وہ غافل اور سست پڑجائیں۔ ایسا نہیں تھا، بلکہ اپنے امور باطنی میں اور زیادہ مستعد اور چاق و چوبند ہو جاتے تھے۔

؎ مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اُس کو چُھٹی نہ مِلے جس کو سبق یاد رہے

حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تحصیل ملکہ راسخہ متوارث اور منقول چلا آرہا ہے۔ جس طرح کہ نماز، روزہ بلکہ کل دین منقول چلا آرہا ہے اور فرما رہے ہیں کہ لاشک فی ذلک پس یہ قطعی اور اجماعی مسئلہ ہوا ہر قرن کا۔

اسی سلسلہ میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل چلی آرہی ہے اسی طرح سے اخلاق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلے آرہے ہیں۔ یعنی آپ کے اخلاق سے صحابہؓ متخلق ہوئے اور پھر ان سے تابعین اور پھر ان سے تبع تابعین اسی طرح مسلسل۔

لہٰذا جس طرح نسبت کی تحصیل ضروری ہے اُسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے اخلاق کے ساتھ اتصاف بھی ضروری ہے اور میں تو اس چیز کو بہت دنوں سے سمجھ چکا ہوں بلکہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں دین اور دنیا دونوں کی فلاح حاصل کرنے کے لئے تستن بسنّۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی صورت نہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر چل کر اور اسے اختیار کر کے آج ہمیں دنیا کی بھی فلاح مل سکتی ہے۔ ورنہ اہلِ دنیا پر فلاح کا دروازہ بند اور عافیت تنگ ہو گئی ہے اور ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج جو لوگ فسادِ منزل بلکہ فسادِ مدینہ کے فتنوں سے مفتون ہیں۔ اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر عوام پریشان ہیں خواص بھی اسی طرح پریشان ہیں اور اسبابِ راحت کے موجود ہونے ہوئے بھی سکون معدوم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خدائی عذاب ہے جو مخلوق پر ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں مسلط کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس عذاب اور فتن سے خلاصی کی صورت اور تدبیر اور حضرات کے نزدیک جو ہو اس کو وہ جانیں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا فساد اور نظامِ عالم کی جملہ خرابیوں کی اصل یہ ہے کہ فلاحِ عالم کے خدائی اصول اور صلاحِ عالم کا نبوی طریق کا رشتہ ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے۔ اور وہ رشتہ یہی تھا کہ علاوہ دین کے دنیوی امور میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے ساتھ تستن کیا جاتا۔ (چنانچہ اس کے مخاطب وہی حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی تعلیمات میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں) یہ نقلاً تو ثابت تھا ہی کیونکہ یہ بھی اُن امور میں سے ہے جو متوارث چلے آرہے ہیں علاوہ ازیں عقلاً بھی ہم آج اپنے حالات میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ جو چیز اس درجہ ضروری تھی وہ متروک ہی نہیں بلکہ اس کا انکار ہو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز روزہ باقی ہے اور یہ چیز یہ باقی نہیں، خون کے آنسو اس پر بہائے جائیں تو کم ہے۔ کیا صرف نماز روزہ ظاہری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آرہا ہے؟ خشک ہی۔ اس میں یہ برکات نہیں تھے۔ یہ کیا خربطہ ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ علماء نے اس کی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھا اس لئے اس کا علم اور عمل ختم ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ حضرات صحابہ حسبِ مراتب سب کے سب اس نسبت کے حامل تھے اور ان کا باہمی تفاضل اور ان کے درجات کا تفاوت اسی نسبت کے تفاوت سے تھا جسے جس قدر زیادہ اور قوی نسبت حاصل ہوتی تھی اسی قدر وہ افضل اور بلند اور بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ نماز روزہ ان کا عملِ ظاہر تھا اور یہ نسبت ان کا باطن تھا اور یہ حضرات اس ظاہر و باطن دونوں ہی کے جامع تھے۔ اب صرف ظاہر دین تو کچھ ہے بھی مگر باطن اور روح ختم ہوچکی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ اس نسبت کے الوان اور طرق مختلف ہوتے ہیں تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ سلف میں اس نسبت کی تحصیل کا طریق احکامِ شرعیہ کی پابندی تھی اور خلف میں اشغال وغیرہ اس کے لئے مقرر ہوئے مگر احکام شرعیہ ہر حال میں مقدم رہے۔

یعنی حضرات صحابہ تو اس نسبت کو مواظبت علی الصلوٰۃ وتسبیحات ومواظبت علی الطہارۃ مراقبۂ موت اور ثواب مطیعین اور عذاب عاصیین کے استحضار وغیرہ سے حاصل کرتے تھے اور بعد کے مشائخ نے لوگوں کی استعداد کو ضعیف پایا۔ اور یہ دیکھا کہ محض ان امور کے کرنے سے اب یہ نسبت حاصل نہیں ہو رہی ہے تو انہوں نے

اشغال و مراقبات کا اضافہ کر دیا۔ اور ان کے ذریعہ نسبت پیدا کرنی چاہی۔ یہ تو طرق کا اختلاف ہوا۔ اور الوان کا اختلاف یہ تھا کہ مثلاً کسی نسبت میں محبت و شوق کا غلبہ ہوا اور کسی میں خوف کا، کسی میں فنا کا غلبہ رہا اور کسی میں بقا کا تو بظاہر نسبت کے یہ سب الوان مختلف معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان سب نے ہر ہر سالک کے اندر وہی حالت پیدا کر دی جس کا نام نسبت تھا۔ چنانچہ جس میں محبت اور شوق کا غلبہ ہوا اس نے بھی معصیت ترک کی اور اپنے تمام امور میں حق تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھی اور جس کے اندر خوف کا غلبہ ہوا اس نے بھی معاصی سے نفرت اور طاعت سے رغبت کی۔ یہی حال اور دوسرے الوان کا بھی ہوا۔ پس اس اختلاف کے باوجود مرجع سب کا واحد ہی رہا۔ یعنی ارتباط باللہ تعالیٰ جس کی تحصیل سب پر لازم تھی اور ہر شخص پر ضروری تھا۔ ان اشغال کے ذریعے نسبت کی تحصیل اور اس پر مواظبت اور اس میں استغراق اس درجہ کہ نفس ملکۂ راسخہ کا کسب کر لے اس لئے ضروری ٹھہرا کہ جب نفس کو ملکۂ راسخہ حاصل ہو جائے گا تو پھر غفلت اور ذھول کی گنجائش باقی نہ رہ جائے گی اور اسی میں اس کی خیریت بھی ہے کیونکہ اگر ان اشغال کے ذریعہ ملکۂ حسنۂ طیبہ کا کسب نہ کیا گیا جس سے کہ طاعت میں سہولت اور معصومیت سے نفرت ہو جائے تو اشغال دنیویہ میں انہماک کے سبب سے نفس ملکۂ خبیثہ سیۂ کسب کر لے گا جس سے نجات ملنی دشوار ہو جائے گی حتیٰ کہ یہ ظاہری طاعات (یعنی نماز روزہ) بھی اس کو اس سے نہ نکال سکیں گی۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ سب طاعات بھی کرتا رہے گا اور دوسری جانب اس کے نفس میں یہ ملکۂ خبیثہ بھی موجود رہے گا جس سے خلاصی آخرت ہی میں ہو سکے گی۔

مذکورۂ بالا تفصیل سے نسبت کی توضیح اور اس کی ضرورت آپ کو معلوم ہو گئی، نیز آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسی نسبت کا دوسرا نام سکینہ بھی ہے۔ یہ مشائخ کی اصطلاح ہے باقی علمائے ظاہر بھی جو معنی نسبت سکینہ کے بیان کرتے ہیں وہ اسی کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ صاحب روح المعانی فانزل اللہ سکینتہ کے تحت لکھتے ہیں کہ وھی الطمانینہ التی یسکن عندھا القلوب یعنی سکینہ اس اطمینان کا نام ہے جسے پا کر قلوب تسکین حاصل کریں اور پھر کچھ دور کے بعد باب الاشارہ میں لکھتے ہیں کہ:

حق تعالےٰ کے ارشاد ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین میں سکینہ جو آیا ہے اس کے متعلق بعض عارفین یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکینہ آپ کا مشاہدۂ ذات تھا اور مومنین کا سکینہ صفات کا معائنہ تھا، یعنی آپ اس حالت میں حق تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ سے متلذذ تھے اور مومنین اللہ تعالیٰ کی صفات کا مراقبہ کر کے مطمئن تھے۔

مشائخ کے لئے سکینہ کی تعریف کے بیان میں مختلف تعبیرات ہیں۔ عنوان مختلف ہیں لیکن معنیٰ اور مضمون قریب قریب سب کا ایک ہی ہے چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہے جس میں اطمینان کی آمیزش ہو حق تعالیٰ کے حکم سننے کے وقت۔ اور اس کی وجہ سے انسان کے بشری تقاضے بالکلیہ سوخت ہو جائیں اور پردۂ غیب سے جو چیز بھی ظاہر ہو بغیر کسی معاوضہ کے اور بدون اپنا اختیار چلائے ہوئے انسان اس پر راضی ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ حق تعالےٰ کے مشاہدے کی بساط پر فائز ہو اور خالص عبودیت کی اقامت کے ادب سے متأدب ہو اس طرح پر کہ اس کو ان کی ادائیگی میں نہ تو کچھ تعب ہو اور نہ کسی حکم سے معارضہ کی رگ

پھڑکے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے حظوظ کو فنا کر کے بقا باللہ حاصل کر لے۔

(روح معانی ج ۲۶ ص ۹۴ ترجمہ)

اور جس طرح سے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرات صحابہ و تابعین کے سلوک کا طریقہ اور تحصیل نسبت کے طرق اور ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی نسبتِ احسان کے معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلاکیف حاضر موجود جان کر حیا و شرم کے ساتھ بندۂ مطیع رہنا مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے۔ باقی زوائد۔

اسی سلسلہ میں آگے صحابہ و تابعین کا سلوک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

سنو! کہ سلوک صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعین میں تحصیلِ احسان اور اپنا بندۂ ناچیز بے اختیار ہونا اور من کل الوجوہ محتاج ذات غنی کا اور حضور اس کردگار بے نیاز محسن عباد کا ہونا تھا۔ بندگی در بندگی، عجز در عجز، توکل در توکل، ہمت اطاعت و جان و مال بازی فی رضاء المولیٰ اس کا ثمر تھا نہ استغراق تھا نہ فنا تھی۔ متاخرین نے دوسرا راستہ نکالا کہ جس سے ربط حادث بالخالق کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلیٰ سے اخس تک اپنے خالق سے مربوط اور اس کے وجود سے موجود ہیں۔ بوحدت وجود یا بوحدتِ شہود علیٰ خلافٍ بینہم۔

پس اس ربط کے شہود کا نام جذب رکھا گیا اور انتہا راہِ جذب اس نسبت کے انکشاف پر ہے۔ پس جذب کے معنی رجوع السالک الی الحقیقۃ الحقائق واصل الاشیاء۔ اور اس میں افناء اپنا اور اپنے علم و انانیت کا کر دینا مقرر ہوئے۔

اس راہِ جذب کو جو حضرات مشائخ نے طے کیا اس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ گویا وہ کمالات اب کالعنقا ہو گئے۔ جس طرح سالک مجاہدہ کر کے مقام طے کرے ہنوز اس کے آثار کے سوا ان کمالات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ان کا حوصلہ و ملکہ ملاء اعلیٰ سے ناشی تھا اب ملا اسفل سے بھی پوری مناسبت نہیں۔ مع ہذا راہِ جذب ہے ، درگاہ (یعنی جذب طریق ہے مقصد نہیں اس لئے) بعد طے راہ جذب کے وہی طریقہ صحابہ کہ عبدیت کا مقام ہے اختیار کرنا و عبادت و عاجزی کا معاملہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

(مکتوبات رشیدیہ ص ۲)

حضرت گنگوہیؒ نے صحابہؓ کے سلوک کی جو تفصیل بیان فرمائی بہت خوب ہے اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ حضرات صحابہ کا یہی حال تھا، لیکن حضرت نے یہ جو فرمایا کہ وہاں نہ استغراق تھا نہ فنا تھی تو اس کی کچھ توضیح کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ صحیح ہے کہ جس نوع کا استغراق اور فناء متاخرین کو حاصل ہوا حضرات صحابہ کا فنا اس قسم کا نہ تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ حضرات فنا سے عاری تھے۔ ایسا نہیں تھا۔ ان حضرات نے بھی اپنے آپ کو کامل طور پر فنا کر دیا تھا۔ لیکن ان کے فنا میں سُکر نہ تھا کہ بالکل ہی مغلوب الحال اور مستغرق ہو جاتے بلکہ ان کا فنا صحو کے ساتھ ساتھ تھا۔ پورے فانی اور پوری طرح باہوش۔ اور بعد کے لوگوں میں یہ جامعیت نہ تھی بلکہ ان کے فنا میں سُکر کے انداز تھا۔ آپ کے سامنے صحابہ کے فنا کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

وہ یہ کہ حضرت زید بن حارثہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ تھے ان کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا تھا۔ لیکن مزاج کی موافقت نہ ہوئی اور حضرت زیدؓ نے حضورؐ سے شکایت کی اور کہا کہ میں ان کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس نے میری خاطر سے اور اللہ اور

رسول کے حکم سے تم کو اپنی طبیعت کے خلاف قبول کیا ہے اس لئے اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز اپنی دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈرو اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرو۔ لیکن موافقت نہ ہونی تھی نہ ہوئی اور آئے دن جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ جاہلانہ رسم یعنی اپنے لے پالک کی بیوی کے ساتھ نکاح نہ کر سکنا اس کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور سے ہدم کر دے تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا نوحش باقی نہ رہے اس لئے جب زید نے ان کو طلاق دے دی اور عدت گزر گئی تو اللہ تعالے نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان ہی پر کر دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ فلمّا قضٰی زیدٌ منہا وطراً زوّجنٰکہا لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطراً وکان امر اللہ مفعولاً۔ یعنی پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔

(بیان القرآن ص۹۱ ج۹)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو یہ آیت سنائی اور پھر اس کے بعد ان کا شمار ازواج مطہرات میں ہونے لگا۔

یہ واقعہ صحابہ کے سامنے پیش آیا اور اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ عجیب واقعہ تھا مگر وہ حضرات اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح فنا کر چکے تھے کہ اس کے متعلق زبان سے کچھ کہنا تو درکنار کسی کو خطرہ اور وسوسہ کے درجہ میں بھی کوئی خیال نہیں گزرا اس کی کوئی نظیر غیر صحابی میں تو مل ہی نہیں سکتی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا فنا ہوگی کہ اپنی رائے کو اللہ اور رسول کی رائے اور ارادہ کے بالکل تابع کر دیا تھا اور فنا سے مراد حضرات مشائخ کی بھی ارادہ ہی کا فنا ہونا ہے یا رذائل کا فنا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ان دونوں ہی کا بے مثال ثبوت موجود ہے۔

اسی طرح حضرت گنگوہیؒ نے جذب (یعنی نسبت) کے معنی یہ بیان فرمائے کہ رجوع السالک الی حقیقتہ الحقائق واصل الاشیاء اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اس میں افناء اپنا اور اپنے علم وانانیت کا کر دینا مقرر ہوئے۔ نہایت عمدہ بات فرمائی۔ بلاشبہ نسبت میں فنا علم اور فنا ارادہ تو ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلقات سے بھی دل سرد ہو جاتا ہے اور سالک کا مطلوب صرف ذاتِ باری اور رضائے باری تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ خلف الرشید حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں خوب خوب بیان فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ طریق کو سالک کی نگاہوں میں محبوب کر دینے اور اس کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور حق تعالیٰ کی طلب میں سالک کو کھڑا کر دینے کا ان بزرگ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ فنا کے مضمون کو تو اس دلکش عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ بس انسان کمر ہمت باندھ کر میدان میں کود ہی پڑے۔ چنانچہ مکتوب بست ودوم مکتوبات جلد سوم میں صوفیائے کرام کے طریق کی مدح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ تم کو جمعیت خاطر کے ساتھ بعافیت رکھے اور شریعت محمدی وسنتِ نبوی علیہ السلام پر مستقیم ومستدیم رکھے اور دنیوی تعلقات سے دور اور ماسوی اللہ کے علائق سے نفور رکھے اور اپنے قرب ومعرفت کے سراپردہ کے ساتھ انس ومحبت بخشے (یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قرب خاص جس کا نام نسبت ہے) یہ چیز اس عالمِ اسباب میں حضرات صوفیہ علیہ ہی کے طریق پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ ان بزرگوں نے حق جل وعلا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہو گئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے راستے میں خیر باد کہہ کر خود کو ان کے ساتھ واصل کر لیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوی اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہو جاتا ہے کہ اب اگر ماسویٰ کو سالہا سال یاد کریں تب بھی یاد نہ آئے۔ اسی طرح نفس کی انانیت اور رعونت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ اَنا کا استعمال بھی ان کو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالےٰ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہیں کرتی۔ خداوندا تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کر دے یا کم ازکم ان کی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنا دے کیونکہ ان دو کے علاوہ تیسری قوم میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر کے مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کر دے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اس کے مشام جان میں پہنچے اس کی تحصیل کے درپے ہو جائے کسی نے خوب کہا ہے۔ اب اس کے بعد مصلحت کا راس میں سمجھتا ہوں کہ مے خانہ کے دروازہ پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں ایام گذار دوں۔

وقیل فی ہذا المعنیٰ

؎ مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

(مکتوبات ص۴۱ ج۳۔ ترجمہ)

ایک دوسرے مقام پر قبض وبسط پر جو کہ سالک کے احوال میں سے ہیں اور طریق کے ارکان میں سے ہیں کلام کرتے ہوئے نسبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کبھی اس کا ضعف سالک کے قبض کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبض کا منشاء نسبت باطنی کا ضعف بن جاتا ہے۔ کیونکہ نسبت جب قوی نہیں ہوتی تو کبھی اس کا ظہور ہوتا ہے تو کبھی وہ مستور ہو جاتی ہے بالخصوص اس حالت میں جبکہ اپنے شیخ سے صوری اور ظاہری بعد بھی ہو۔ چنانچہ جب تک نسبت کا رسوخ نہ ہو جائے یعنی وہ ملکہ نہ بن جائے اس سے پہلے شیخ سے جدائی اس قسم کے ضعف کا سبب بن جاتی ہے۔ یعنی جب شیخ کی خدمت میں رہے گا تو نسبت میں قوت محسوس ہوگی اور جدا ہونے میں اس میں ضعف ہو جائے گا، اس کا علاج رہبر کامل کی صحبت اور اس کی توجہ ہے تاکہ نسبت قوی ہو کر ملکۂ راسخہ ہو جائے اور سالک فنا کی حد تک پہنچ جائے۔

(مکتوبات معصومیہ ص۱۶۴ ترجمہ)

اس کے بعد توجہ شیخ اور صحبت کامل کو مدار کار یعنی حصول نسبت اور ذریعہ تقویت نسبت قرار دے کر اس پر نہایت ہی زور دار کلام کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ نسبت کسی صاحب نسبت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

مرشد کامل کی توجہ دوری صورت میں بھی یعنی جبکہ کسی معصیت اور لغزش کے سبب نسبت میں تاریکی آ جائے نافع ہوتی ہے اس لئے کہ شیخ کامل کی توجہ ایسی چیز ہے کہ اگر ظلمات وکدورات کے پہاڑ

کے پہاڑ ہر طرف سے نمودار ہو جائیں تو ان کو بھی مرید صادق سے دفع کرکے اس کے باطن کی تطہیر کر سکتی ہے ۔ اسی طرح سے شیخ کی یہ توجہ سالک کے لئے حالتِ قبض میں بھی مفید ہے چنانچہ بہت جلد اس میں بسط پیدا کرکے ترقی کا راستہ اس پر کھول سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مدار کار وہ صحبت اور وہ توجہ ہے جو کہ محبت یعنی عقیدت اور سپردگی کے ساتھ جمع ہو جائے یعنی سالک کی جانب سے محبت اور عاجزی ہو اور شیخ کی جانب سے توجہ۔

چنانچہ تنہا محبت بدون توجہ شیخ کے بھی رہبر بن سکتی ہے یعنی نافع ہو سکتی ہے اور ترقی دے سکتی ہے مگر محض ترقی شیخ بدون محبت، طالب کی کچھ زیادہ نفع بخش نہیں۔

یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ تنہا شیخ کی توجہ باطنی کو جذب کر لیتی ہے اور اس کے مخصوص کمالات کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے اور فنا فی الشیخ بلکہ فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرا دیتی ہے ۔ اور اگر صفات مذکورہ یعنی محبت و توجہ جانبین سے ظاہر ہوتی ہیں تو اب حصولِ نسبت کے بعد امید قوی ہو جاتی ہے کہ ترقی کا راستہ کھل جائے اور جلد ہی منزل مقصود تک رسائی حاصل ہو جائے اور سالک راستہ ہی میں نہ رہ جائے ۔ (ص ۱۶۵)

پس اس طریق میں سالک کے توقف کا سبب اور اس کے حق میں مانع اور سدراہ کوئی اور چیز نہیں ہے بجز سالک کی سستی کے چنانچہ جو طالب صادق کسی کامل کی صحبت میں پہنچ جائے اور وہ تمام شرائط بجا لائے جنہیں اکابر طریق نے مقرر کیا ہے تو امید ہے کہ ضرور بالضرور واصل ہو جائے ۔

(مکتوبات معصومیہ ص ۱۶۶ ترجمہ)

اس میں اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ شیخ کامل کو پا کر بھی اگر سالک کامیاب نہیں ہو رہا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ خود اس کے اندر کوئی علت اور مانع موجود ہے ۔ اور علی العموم وہ مانع طالب کی کاہلی اور سستی اور اس کا شرائط طلب کا نہ بجا لانا ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر سلوک کا مقصود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

سیر و سلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے بلکہ وظائف بندگی کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے ۔

اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا ہے اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے ۔

اور جب ایسا ہے تو جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع ہو اور اس سے تعلق کا اظہار کرے تو اس نے گویا اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کر لیا اور جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اس کو حق تعالےٰ کے ساتھ رہنے کا موقع دیتا ہے لہذا اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے ۔

اے اللہ تو ساری مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کر دے ایسا کہ وہ میری جانب رُخ ہی نہ کریں اس طرح سے مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرما دے ۔

(مکتوبات معصومیہ ص ۱۶۸ ترجمہ)

دیکھئے یہاں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ یہ جو فرما رہے ہیں کہ سیر و سلوک سے مقصود وظائف بندگی کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔ یہ سکینہ ہی کی تعبیر ہے جس کا دوسرا نام نسبت ہے جیسا کہ میں نے روح المعانی سے سکینہ کی تعریف یہی بیان کی تھی کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہے جس میں طمانیت کی آمیزش ہو ایسی کہ احکام الٰہیہ سننے

کے بعد انسان کے نفسانی تقاضے ختم ہو جائیں اور جو چیز بھی ظاہر ہو بدون معارضۂ نفس کے انسان اس پر راضی ہو ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیر و سلوک سے مقصود اور اس کا منتہیٰ تحصیل نسبت ہی ہے اور جب کسی میں یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ شخص خود کو فنا ہی کر دیتا ہے اور اسی میں انسان کی خیریت ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا کمال ہے جیسا کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :

امید کرتا ہوں کہ برادر عزیز بھی بخیریت ہوں گے اور ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ متصف (نیز الفاظ سے معنیٰ میں اور ظل سے اصل کی طرف آگئے ہوں گے کیونکہ ظل سے اصل کی جانب شاہراہ لگی ہے ۔ باقی اصل تک پہنچنے میں جو چیز ہے وہ ظل کا خود اپنی طرف توجہ کرنا اور اصل سے اعراض کرنا ہے اور سیر و سلوک کے ذریعہ بلکہ (یوں کہنا چاہیئے کہ) حق تعالیٰ کی عنایتِ ازلی کے سبب سے سالک کی توجہ ظل سے ہٹ کر جانب ہو جائے اور بجائے اعراض کے اصل کی جانب اقبال ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ سعادت کا رشتہ ہاتھ لگا ۔ اور سالک نے مضبوط کڑے کو ہاتھ سے پکڑ لیا ۔

جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ کس کے ظل ہو اور تمہاری اصل کون ہے ؟ تو بس اب تم فارغ ہو گئے مر جاؤ چاہے زندہ رہو مقصود حاصل ہے ۔

ظل جب اصل سے مل جاتا ہے اور اس کے ساتھ پیوست ہو جاتا ہے تو سالک اپنے اندر اضمحلال استہلاک اور فنا اور نیستی کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں کمال ہے اس لئے کہ سالک کا کمال ہی سلب کمال میں ہے اور اس کی خیریت ہی عدم خیریت میں ہے ۔ معرفت جس چیز کا نام ہے وہ اسی فنا سے وابستہ ہے اور قرب اسی انتفاء سے ملا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی تجلّی جب کسی چیز پر ہوتی ہے تو وہ اس کے سامنے پست اور خاضع ہو جاتا ہے۔

اس فنا اور نیستی کے بعد نفس کے اندر اس بات کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو اپنے پاس سے زندگی بخشیں اور اپنے اخلاق کے ساتھ اس کو متخلق بنا دیں ۔ خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو میں قتل کر دوں تو میں ہی اس کا خوں بہا ہوں اور پھر اس کے بعد اس شخص کو نا قصوں کی تکمیل کے لئے مقرر فرما دیتے ہیں ۔ دیکھو ارشاد فرماتے ہیں کہ

”ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہو“ چنانچہ اس آیت میں اسی شخص کے حال کی خبر ہو۔ اب اس وقت جا کر اس کے حق میں نعمت تمام ہوتی ہے اور خلافت کے معنی کا ظہور ہوتا ہے یہ دولت اور سلطنت کا کام ہے اور ایک منصب عظیم ہے ۔ دیکھا چاہیئے کہ کب اور کسے عنایت فرماتے ہیں ۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ خلافتِ باطنی کس قدر عظیم منصب ہے اور اس کے کتنے شرائط ہیں اب منصب تو لینا چاہتے ہیں لیکن شرائط و آداب نہیں اختیار کرنا چاہتے ۔ صحیح طور پر مرید بھی نہیں ہوتے اور پیر بن جانا چاہتے ہیں ۔

ع بہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

”اے بیٹے ! جب تو اس کو اچھے منہ اور شکلوں میں دیکھے اور تو اس کو پیار کرے تو یہ حُبِ ناقص ہے اور اس پر تجھ کو عذاب ہوگا درست اور صحیح وہ حُب ہے جو تبدیل نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ تو اس کو اپنی دل کی آنکھوں سے دیکھے اور اسی کو سچے روحانیوں کی محبت کہتے ہیں ۔“

نصائح غوث اعظم (۹)

اسلام میں عورت کا مرتبہ

خلیل احمد لودھروی، کراچی

اسلام سے قبل تمام اقوام عالم میں عورت کو نہایت بے بسی اور مظلومیت کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ اس کا درجہ جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اس کو بُرے بُرے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔

احترام کی بجائے اس کے ساتھ ذلت آمیز اور ناروا سلوک برتا جاتا تھا۔ جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت جاری تھی۔ عورتیں شوہر کے مرنے کے بعد ترکہ کی طرح ورثا میں تقسیم ہوتیں اور خود ہر قسم کی میراث سے محروم رہتیں تھیں۔ لوگ ان کے مالوں کے مالک بن جاتے وہ کسی کے مال کی مالکہ نہ بن سکتیں تھیں۔ چنانچہ روہی سلطنت جو بہت بڑی سلطنت تھی اور مذہب عیسائیت کا مرکز تھی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل تھی۔ وہاں کی ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کا فیصلہ تھا کہ عورت ایک ناپاک حیوان ہے جس میں روح انسانی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عبادتوں میں شامل نہ کیا جائے" انجیل مقدس کی تلاوت بھی عورتوں پر حرام کر دی گئی تھی (سچا دین. مصنفہ مولانا محمد ابراہیم ایم اے)

دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ عورت کا منہ کتے اور اونٹ کی طرح باندھ دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ ہنس نہ سکے کیونکہ وہ شیطان کا ایک جال ہے۔ چنانچہ کتاب مقدس میں بھی لکھا ہے "عورت موت سے زیادہ تلخ ہے"

اسلام سے قبل لوگوں میں چند عقائد اور خیالات بھی عورت کے بارے میں موجود تھے۔ کہ عورتیں مردوں کی طرح غیر فانی روح نہیں رکھتیں۔ عورتوں کو تعلیم دینا بھی جائز نہیں۔ عورتوں کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

بعض فرنگی حلقوں کا عقیدہ تھا کہ عورت کا شمار حیوانوں، اور شیطانوں میں ہے۔ وہ انسانی گروہ میں ہرگز داخل نہیں۔ انہیں فاسد خیالات اور عقائد کی بنا پر وہ عورتوں کو ہر قسم کی آزادی اور مذہبی معاملات سے دور رکھتے تھے۔ عورتوں کو نہ قومی معاملات میں حصہ لینا جائز ہوتا تھا اور نہ اصلاحی و علمی کاموں میں بعض اقوام میں باپ کے لئے یہ بھی جائز تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو فروخت کردے۔ اگر شوہر اپنی بیوی کو قتل کر دیتا تو اس کو کسی قسم کی سزا نہ دی جاتی۔ عرب ممالک میں یہ رسم جاری تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوہ کو بیاہ لیتا تھا۔ قرض میں عورتوں اور بچوں کو رہن رکھا جاتا تھا ان کے عزور و افلاس کی وجہ سے ان میں رسم دختر کشی بھی جاری تھی۔ جنگ میں عورتوں کو قتل کیا جاتا تھا اور حاملہ عورت کے پیٹ کو چاک کر دیا جاتا تھا اور اس پر فخر کیا جاتا۔ ہندوستان اور دوسرے مشرقی ممالک میں بھی عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ غرضیکہ قبل از اسلام دنیا کے ہر گوشہ میں عورت ظلم کی چکی میں پس رہی تھی اس کے تمام حقوق سلب کئے جا چکے تھے اس کی زندگی آزادی اور عیش و تنعم کی زندگی نہیں تھی بلکہ افلاس و تنگدستی اور مظلومانہ زندگی تھی۔

تمام تہذیب یافتہ ممالک خصوصاً یورپی اقوام کے ہاں جنہیں اپنی تہذیب اور تمدن پر فخر تھا۔ عورت مظلومیت اور بے لبسی کے عالم میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔

اب آیئے دیکھیں کہ اسلام نے عورت کو کیا درجہ دیا۔ اسلام نے عورت کو وہ تمام حقوق دیئے جو اس کی فطرت کے لئے ضروری اور مفید ہیں۔ لونڈی اور غلام کی طرح عورت مرد کی محکوم نہیں۔ عورت جائداد اور مال کی مالکہ بن سکتی ہے اور اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتی ہے اسلام نے مرد کی طرح عورت کا بھی وراثت میں حصہ مقرر کیا۔ عورت کا مہر، نان و نفقہ۔ لباس و سکونت کی ذمہ داری سب مرد پر عائد کی۔ قرض لینے دینے میں عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا مرد کی طرح اس کو بھی اختیار دیا۔ عورت کے ادائیگی حقوق کے بارے میں مرد کو بہت تاکید اور وصیت کی گئی اس کے ساتھ حسن معاملہ اور نیک سلوک کا حکم دیا گیا چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔

غرضیکہ اسلام نے عورت کو مظلومیت اور محکومیت سے نکالا تاکہ آزادی کی زندگی بسر کر سکے۔

اسلام نے احکام شرعیہ کا پابند مرد و عورت دونوں کو بنایا۔ مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی جنت کی بشارت اور دوزخ کا کھٹکا ہے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر بلا امتیاز مرد و عورت دونوں کو یکساں مخاطب فرمایا گیا ہے۔ بداعمالی پر سزا اور نیک اعمال پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مذہبی و قومی کاموں میں بھی عورت کو اسلام نے شرکت کی اجازت دی ہے تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ عورتیں مذہبی و قومی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔

چنانچہ عورتیں جہاد میں بھی شریک ہوئی ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا ہے۔ جنگ میں پانی پلانا کھانا پہنچانا زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا وغیرہ کام انہوں نے سر انجام دیئے ہیں بعض عورتوں نے تو شمشیر زنی بھی کی ہے۔ تعلیم دین اور تبلیغ دین میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے امہات المومنین رضوان اللہ علیھن نے جو تبلیغ دین کا کام کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ تھیں آپ سے ہزاروں طلبہ علم حدیث نے روایات اخذ کیں صحابہ کرام رض مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ مسائل فقیہہ کا ایک بڑا حصہ آپ کے واسطہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رض کو علم حدیث و تفسیر قرآن اور علم فقہ کے علاوہ علم ادب و شاعری اور علم طب میں بھی کافی دسترس حاصل تھی۔

موجودہ دور میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو پردہ کی زنجیر میں جکڑ کر رکھ دیا ہے اس کو ملکی و سیاسی اور دیگر انتظامات میں دخل کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ عدل اور آزادی کے خلاف ہے۔ لیکن یہ اعتراض از سر تا پا لغو ہے کیونکہ عورت کی عفت و عصمت اسلام کی نظر میں بہت قیمتی شے ہے اور وہ اس کی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ عورت پردہ میں رہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو قومیں مہذب ہونے کی دعویدار اور بے پردگی کی داعی اور اس پر عمل پیرا ہیں ان میں عورت کی عزت و عصمت محفوظ نہیں کھلم کھلا عورت کی عزت لوٹی جاتی ہے۔ شریف عورتوں کے لئے زندگی گذارنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایسی آزادی جس میں عورت کی نہ عزت محفوظ ہو نہ عفت نہ مذہب کی پابندی ہو نہ اصول کی۔ نہ شرم ہو نہ حیا یقیناً ایسی آزادی پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو سختی کے ساتھ رد کرتا ہے۔ ان سب بدکاریوں اور خرابیوں سے بچنے کے لئے اسلام نے بہترین علاج تبلایا کہ عورت گھر کے اندر رہے گھر سے باہر بغیر پردہ کے نہ جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ۔ اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور مت پھرو جاہلیت کا پھرنا۔ اس آیت میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن اس حکم میں سب مسلمان عورتیں داخل ہیں جیسا کہ علماء مفسرین نے تصریح کی ہے۔ بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے مرد عورت پر فوقیت دی۔

جب طلاق و نکاح اور نظام ملکی چلانا وغیرہ اس لئے کہ مرد میں بہ نسبت عورت تدبر اور فہم اور صبر زیادہ ہے اسی وجہ سے اس پر اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے کیونکہ مرد میں معاش حاصل کرنے اور اہل و عیال کی حفاظت کرنے کی قوت عورت کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ فوقیت جو اسلام نے مرد کو دی فطرت کے عین مطابق ہے غرضیکہ عورت جو مظلومانہ زندگی بسر کر رہی تھی۔ اسلام نے اسے آزادی کی زندگی بسر کرنے اور عزت کی زندگی گذارنے کے لئے گھر میں رہنے کی تلقین کی۔ اور اسے کھویا ہوا مرتبہ واپس دلایا۔

یہ بات کسی منصف مزاج سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کو جو مقام اور مرتبہ دیا وہ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں دیا عورت اسلام میں رہ کر آزادانہ اور باعزت زندگی بسر کر سکتی ہے۔ دنیا کی مہذب اقوام جتنی عورت کو اس کے حقوق دہی کے بارے میں کوشش کریں اور آئین بنائیں۔ اسلام کی ہمسری قطعاً نہیں کر سکتیں۔

جواب طلب امور کے لیے واپسی لفافہ یا ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

سخاوت اور سخی

عبدالباسط جلالیہ

جود و سخا ایک طبعی چیز ہے، نسل انسانی کے جن افراد میں یہ صفت پائی جاتی ہے، وہ خدا کی پیدا کردہ حسین و جمیل کائنات میں درخشندہ ستارے کی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بہت سے مفید امور کا تعلق سخاوت سے ہے۔ کتنے دینی مدرسے، مسجدیں اور اوقاف نقش عالم میں اسی سخاوت کی وجہ سے، سورج کی مانند فیض رسانی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ صفت نایاب ہوتی تو بہت سے کارہائے خیر معطل ہو کر رہ جاتے۔

سخاوت کی فضیلت حدیث میں آتا ہے۔ ہر دن صبح دو فرشتے کرہ ارض پر اترتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اے اللہ بھلائی کی راہ میں خرچ کرنے والے کو اچھا بدلہ عطا کر اور دوسرا کہتا ہے۔ اے اللہ بخیل کو مال و دولت کی تباہی سے ہمکنار کر۔ (البدایہ)

حدیث میں ہے سخی کے قصور معاف کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ جب اُسے تکلیف ہوتی ہے تو حق تعالےٰ اس کی دستگیری فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے سخی کا کھانا دوا اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔ کامل سخاوت یہ ہے کہ انسان عوض و بدلہ کی خواہش کے بغیر خرچ کرے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا

حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہیں خدا واسطے کھانا کھلاتے ہیں تم سے شکریہ و بدلے کی تمنا نہیں رکھتے۔

سخاوت کے بے حد پسندیدہ صفت ہونے کے باوجود بہت کم افراد اس کے حامل ہوتے ہیں حالانکہ یہ انسان کو شہرت کا ایسا لازوال تاج پہناتی ہے جسے فنا کرنے کی طاقت نہ تو گردش ایام میں ہے اور نہ حاسدوں کا سفاکانہ ہاتھ اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ معاشرہ و یاران مجلس سخی کی راہ میں لاکھ حائل ہونا چاہئیں۔ لیکن کیا مجال کہ اس کے جود و سخا کے فیضان مسلسل میں ذرہ بھی فرق رونما ہو جائے۔

سخی تو دنیا میں بے حد ہوئے ہیں۔ مگر حجاز، اہل عرب کے سخی مندرجہ ذیل ہوئے جن کا مثل پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اسخیائے عرب (۱) حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی (۲) ہرم بن سنان المری (۳) کعب بن امامۃ الایادی۔

زمانہ اسلام کے سخی اسلام کے اسخیاء ایک ہی زمانہ میں گیارہ ہوئے ہیں ان کا ہم پلہ نہ کوئی ہوا، اور نہ ہوگا۔

حجاز کے سخی ریگستان حجاز کے معروف و مشہور اسخیاء جو ایک ہی زمانہ میں ہوئے وہ یہ ہیں۔
(۱) عبید اللہ بن عباس (۲) عبداللہ بن جعفر (۳) سعید بن العاص۔

بصرہ کے اسخیاء بصرہ کے پانچ ہم عصر اسخیاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔
(۱) عبداللہ بن عامر بن کریز (۲) عبیداللہ بن ابی بکرۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) مسلم بن زیاد (۴) عبید بن معمر القرشی التیمی (۵) طلحہ۔

کوفہ کے اجواد کوفہ اہل علم و فضل کا عہد قدیم میں مرکز تھا۔ اس میں اجواد و اسخیاء تو بے شمار ہوئے ہوں گے۔ لیکن شہرت کا دوامی تاج جن کے حصے میں آیا اور تاریخ کے سنہری صفحات نے جن مبارک و مسعود ہستیوں کو نیک نامی کے ساتھ جگہ دی وہ خوبان عہد یہ تھے۔
(۱) عتاب بن ورقاء الریاحی (۲) اسماء بن خارجہ الفزاری (۳) عکرمہ بن ربعی العماصی (۴) عقد الفرید مصنفہ ابن عبدربہ ص۱۱

اس مختصر مضمون میں ان سب کے حالات کو تحریر کرنا تو ناممکن ہے اس لئے ان میں سے بعض معروف و دیگر چند اسخیاء کے حالات درج ہیں

حاتم طائی حاتم طائی سخاوت کے میدان میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی جود و سخا کی حکایات کا نظارہ چشم فلک کبھی نہ کر سکی۔ دن رات کے مہمان نے کبھی ملامت نہ کی۔ چولھے پر اس کے گھر میں ہر وقت بڑی بڑی ہانڈیاں چڑھی رہتی تھیں، جہاں کہیں وہ ٹھہرتا اس

کی قیام گاہ معروف و مشہور ہو جاتی۔

ایک مرتبہ باپ کے اونٹ چرا رہا تھا کہ چند آدمیوں کا اس پر گزر ہوا۔ جنہوں نے کچھ اونٹ طلب کئے۔ حاتم کی سخاوت جوش میں آگئی اور وہ سب اونٹ ان کے حوالے کر دیئے۔ گھر آنے پر باپ نے پوچھا اونٹ کدھر گئے حاتم نے جواب دیا میں نے اُن سے نیک نامی کا ہار تیار کر کے آپ کے گلے میں ہمیشہ کے لئے ڈال دیا ہے۔ مگر باپ بیٹے میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ حاتم شہباز ہمت کا حامل تھا۔ جب کہ باپ مال و زر کی محبت میں گرفتار تھا۔ اسی مخصوص طبیعت کی وجہ سے شفقت پدری کو بھی بھول گیا اور حاتم کو ترش انداز میں مخاطب ہو کر کہا، اب میرے گھر میں تمہارے واسطے رہنے کو جگہ نہیں۔ حاتم نے کہا بہت اچھا مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں۔

بہنوں کا رویہ بہنیں سخاوت سے حاتم کو روکتی تھیں مگر حاتم جو سخاوت میں اپنی مثال آپ تھا کب رُکنے والا تھا۔ وہ ہر سائل پر ابر رحمت کی طرح برستا اور ہر حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ وقت تیار رہتا، بہنیں جو تنگ آئیں تو پیار و محبت کے بجائے سنگ دلی کی راہ کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئیں اور حاتم جیسے عظیم بھائی کو قید خانے میں پہنچا کر فرحت و انبساط محسوس کرنے لگیں۔ جس کی وجہ سے ایک سال تک حاتم قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رہا۔ بہنوں نے خیال کیا کہ حاتم اب سخاوت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے گا اور مالداری کے فوائد اسے معلوم ہو گئے ہوں گے تو خوشی خوشی اسے آزاد کر دیا۔ اور بہت سا مال بھی دے دیا تاکہ عیش و عشرت راحت و آرام کی زندگی بسر کرے۔ اتنے میں ایک سائلہ عورت حاتم کے روبرو اپنی حاجت پیش کی تو حاتم نے اسے کہا یہ مال پڑا ہوا ہے سب اٹھا کر لے جاؤ۔

حاتم کی قسم حاتم نے قسم کھائی تھی کہ سائل سے ہرگز کسی چیز کو نہیں روکوں گا۔

حاتم سے ایک قیدی کی فریاد ایک مرتبہ قبیلہ (عنزہ) پر حاتم کا گزر ہوا تو ایک قیدی نے فریاد کی کہ مجھے چھڑائیے اتفاق سے اس وقت حاتم کے پاس مال نہیں تھا۔ کہ آزاد کروا لیتا قیدی کو یوں ہی چھوڑ کر چل دینا بھی حاتم سے بعید تر تھا۔ اس لئے ایک سال تک حاتم قیدی کے ساتھ حبس خانے میں مقید رہا اور مال کے آنے پر قیدی کو آزاد کروا کے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ ایک عبقری انسان کے مختصر حالات تھے۔ جس کی شخصیت کا چرچا دنیا بھر میں ہے اب ہم عنان قلم ایک اور شخصیت کے حالات کی طرف موڑتے ہیں کہ جس کی وفاء و سخا کی صرف ایک ہی حکایت منقول ہے اور وہ ایسی کہ دنیا بھر کے لئے دوستوں کے ساتھ وفا و اخلاص کا ایسا سچا نمونہ پیش کرتی ہے کہ جس کی خوشبو سے ہر سلیم الفطرت استفادہ حاصل کر سکتا ہے، وہ عبقری انسان، کعب بن امامۃ الایادی ہیں۔

کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دوست السعدی کے ساتھ ایسے ویران و بیابان میں تھے کہ جہاں پر دور تک پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہر دو کو پیاس محسوس ہوئی اور اس نے اتنی شدت اختیار کی کہ جان بلب ہو گئے۔ پانی جو پاس تھا۔ اس سے ایک ہی کی جان بچ سکتی تھی۔ اب جنگ برپا ہوئی اور اس نے شعلوں کی شکل اختیار کی۔ مگر یہ جنگ دو دوستوں کے درمیان نہ تھی بلکہ سخاوت و ایثار و ترجیح نفس اور اپنی جان کو بچانے کے درمیان تھی۔ سخاوت بازی لے گئی۔ اور بے چارہ کعب بن امامۃ الایادی سخت پیاس کے مارے تڑپ اٹھا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہمیشہ کیلئے اس ہستی عدم سے کوچ کر گیا۔ اور السعدی اپنے عظیم دوست کے واسطے آنسوؤں کی ندیاں بہاتا رہ گیا۔ یہ مختصر حالات ان اشخاص کے تھے جن کے نام کو بقا و دوام دار فانی میں تا قیامت حاصل ہو گئی اور اگر کوئی شخص ایمان و اخلاص کے ساتھ سخاوت کے بازار کو بھی گرم کرے تو اس کی جزاء دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں اللہ کی رحمت و رضا ہو گی۔

سعید ابن العاص کی سخاوت ایک شخص نے سعید ابن العاص سے کچھ مانگا تو آپ نے اسے ایک لاکھ درہم عطا کئے وہ رونے لگا آپ نے پوچھا روتے کیوں ہو۔ کہا اس لئے کہ زمین آپ جیسے سخی انسان کو کھا لے گی۔ اس پر آپ نے اسے مزید ایک لاکھ درہم عطا کر دیا ہے۔

مختصر منہاج القاصدین ابن قدامہ ص۲۲۰

حضرت زین العابدین کی فیاضی آپ کی سخا کی یہ حالت تھی کہ محمد بن اسامہ بن زید کی عیادت کو تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ رو رہے ہیں۔ آپ نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے ذمے پانچ ہزار (۵۰۰۰) دینار قرض ہیں جس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ تم اُن سے چھوٹے۔ اس کے بعد ان کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔ (کتاب حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۳۹ ج ۳)

طبی مشورے

براہ راست جواب کے خواہشمند حضرات
جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸

اولاد نرینہ۔ تیار شدہ دوائی

س: (۱) ایک دفعہ کسی صاحب نے لکھا تھا کہ میرے پیر صاحب کے پاس اولاد نرینہ کا نسخہ موجود ہے۔ جس کے جواب میں آپ نے لکھا تھا کہ اپنے پیر صاحب کا پتہ ارسال کریں۔ کیا پیر صاحب کا پتہ ملا۔ اور نسخہ شائع ہوا تھا؟

(۲) چہرے کے کیلوں کے بارے میں آپ کئی نسخے لکھ چکے ہیں لیکن میں بنا نہیں سکتا۔ براہ کرم کسی ایسی کریم وغیرہ کا نام لکھیں جس سے چہرے کے کیل دور ہو سکیں۔

محمد عارف، چنیوٹ

ج: (۱) ان صاحب نے نہ اپنے پیر کا پتہ لکھا نہ نسخہ۔ بہرصورت بندہ اس سلسلے میں دو تین بار نسخے لکھ چکا ہے، اور یہ دوائی تیار بھی رہتی ہے، جو صاحب ضرورت مند ہیں وہ مفصل خط براہ راست لکھیں۔ جواب کے لئے جوابی لفافہ لکھیں۔

(۲) محترم! بندہ کسی دوا فروش ادارے کا ایجنٹ نہیں جو نسخے اس سلسلہ میں لکھے گئے وہ بنانے کھانے میں آسان بھی تھے سستے بھی اور مفید بھی۔

خشکی، گرمی

س: مجھے تقریباً دو ماہ سے خشکی اور گرمی ہے۔ ڈاکٹروں حکیموں سے بہت علاج کرایا۔ شفا نہ ہوئی۔ آپ کم خرچ بالانشیں نسخہ لکھیں۔ (مقصود احمد، حاصل پور)

ج: محترم! آپ اپنی بیماری کی مفصل کیفیت لکھیں اور جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ لکھیں تو کوئی مشورہ دیا جائے گا۔

لکنت

س: میری عمر چودہ برس ہے میری زبان میں لکنت ہے میں حافظ قرآن ہو۔ لیکن دوران تلاوت زبان بہت "اٹکتی" ہے۔ جس سے پریشان ہوں۔ علاوہ ازیں میرے بال بھی بہت گرتے ہیں۔ کوئی اچھا سا نسخہ تجویز کریں۔

بلال احمد شیخ۔ ملتان چھاؤنی)

ج۔ زبان کی لکنت کے لئے (۱) تج ۱ تولہ (۲) فلفل دراز ۱ تولہ دونوں دوائیں باریک پیس کر ۵ تولہ شہد خالص میں ملا کر معجون بنا لیں۔ صبح و شام یا ایک ہی وقت ۶ ماشہ بھر معجون زبان پر ملیں۔ اور لعاب دہن خارج کرتے رہیں متواتر استعمال سے انشاء اللہ فائدہ ہوگا —— بال گرنے کے بے شمار نسخے خدام الدین میں شائع کر چکا ہوں۔ ان میں سے کوئی نسخہ استعمال کریں۔

نزلہ، زکام، کھانسی

س: میں ایف ایس سی سال دوم کا طالب علم ہوں میرے گلے اکثر پک جاتے ہیں اور پھر درد سر، بخار، کھانسی وغیرہ ہو جاتی ہے کوئی بہترین نسخہ!

(خلیل الرحمٰن، شجاع آباد)

ج۔ آپ گلے کا معائنہ کرائیں۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب اپریشن کا مشورہ دیں تو اپریشن کرائیں، بہتر رہے گا۔

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں دفتر میں ضرور بھیجئے —— مدیر

کاروان احرار (جلد ہفتم)

از: جانباز مرزا

قیمت: ۵۰/- روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تبصرہ ۴۸/۲ گلشن کالونی بادامی باغ لاہور

جانباز مرزا کے نام اور کام سے ایک دنیا واقف ہے۔ مجلس احرار اسلام کے اسٹیج پر ساری عمر گذارنے والا غریب کارکن جس کی تعلیم واجبی ہے، لیکن جب اس نے تاریخی یادداشتوں کو سمیٹنے کا پروگرام بنایا تو تن تنہا اتنا بڑا کام کر دیا جو ایک ادارہ یا اکیڈمی کے کرنے کا تھا —— اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے وہ نوازے۔ جانباز مرزا صاحب پر اس کی نظر کرم ہوئی اور انہوں نے قلم ہاتھ میں سنبھالا، لائبریریاں کھنگالیں، اپنی یادداشتوں کو سمیٹا اور نصف صدی کی تاریخ حریت کا ریکارڈ مرتب کر دیا —— اس کتاب کی چھ جلدیں پہلے آ چکی ہیں۔ اور پورے ملک سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں —— لاہور کی وقیع علمی سوسائٹی جانباز صاحب کو اس عظیم کارنامہ پر گولڈ میڈل دے چکی ہے —— اب ساتویں جلد آئی ہے ۵۱۱ صفحات ہیں۔ اور اس میں ۱۹۴۶ء جیسے ہنگامہ خیز سال کی مکمل روداد ہے ——

اول و آخر احراری ہونے کے باوصف جانباز صاحب نے انضباط و توازن کا دامن نہیں چھوڑا اور جمعیۃ علماء ہند، احرار، کانگرس اور مسلم لیگ چاروں بڑی جماعتوں کے حوالہ سے یہ دستاویز مرتب کی ہے — مختلف موڑ آتے، ان جماعتوں کا کردار کیا رہا؟ اور ان کی کارکردگی کیا تھی؟ اس کتاب سے یہ سارے عقدے کھلیں گے —— یہ سال ایسا تھا کہ الیکشن کی ہما ہمی ختم ہوئی، مسلم لیگ نے پاکستان کے نام پر الیکشن لڑا وہ جیت گئی، مسلمان قوم نے لیڈروں کے حلیے اور کردار کو نظر انداز کر کے لا الٰہ الا اللہ کی صدا پر ووٹ دے دیا۔ لیگ آپے سے باہر ہو گئی۔ برطانوی ارباب حل و عقد حرکت میں آ گئے، روز نئے منصوبے، نئے پروگرام اور نئے سلسلے —— اس سال ملک میں بعض خوف ناک فسادات ہوئے جو آئندہ چل کر ہر قوم بالخصوص مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنے —— ان فسادات کے پس پردہ کیا محرکات تھے۔ کون ڈوری ہلا رہا تھا اور مسلمانوں کا مقدمہ لڑنے والے کس طرح بتدریج اپنے مؤقف سے پیچھے آ کر مسلمان کا تاریخ جغرافیہ خواہشات کی بھینٹ چڑھا رہے تھے —— یہ اور اس قسم کے متعدد سوالات سامنے ہیں۔ ایک خاص مکتب فکر کے حوالہ سے یہاں کتابیں لکھی اور چھاپی جاتی ہیں بلکہ اب تو تاریخ کو مسخ کرنے کا پروگرام شروع ہے اور اس معاملہ میں جہاں کئی آبائے شہر طوطا چشمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہاں ارباب جبہ و دستار کی ایک کھیپ بھی مزارات کے نذرانوں کے علی الرغم تاریخ آزادی کا سہرا اپنے سر باندھنے کی فکر میں ہیں۔ اس قسم کے حالات میں جانباز صاحب نے جو کام کیا وہ فرہاد

کی کوہ کنی سے کم نہیں ۔ انہوں نے اپنے بوڑھے اور ناتواں جسم پر تلخیوں کے ہزاروں وار سہہ کر اس داستان کو مرتّب کیا ہے نہ صرف یہ جلد بلکہ سابقہ جلدیں بھی ہماری قومی ضرورت ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ ہماری کوئی اجتماعی یا انفرادی لائبریری اس سے خالی ہو نہ کوئی پڑھا لکھا نوجوان ایسا ہو جو اس کا مطالعہ نہ کرے — انشاء اللہ تعالےٰ اس آئینہ میں ماضی صاف نظر آئے گا اور مستقبل کو سنوارنے کی ایک امنگ پیدا ہو گی۔ رب العزت جانباز صاحب کو صحت و عافیت سے نوازے اور سلامت رکھے۔

مسلمانوں کی تعلیمی فکر کا ارتقاء

از : پروفیسر بختیار حسین صدیقی
قیمت : -/۱۸ روپے
ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

علم اور تعلیم سے مسلمان قوم کی دلچسپی اور وابستگی ایسی حقیقت ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں نبیٔ اُمّی معلّم کائنات تھے اور ان کے امتیوں نے پوری دنیا کو علم کی روشنی سے منوّر کیا۔ لازوال کہ یہ قوم علم پرور تھی ، علم نواز تھی اور اس کی علمی فتوحات کا دائرہ بے حد وسیع تھا— بختیار صدیقی صاحب کی یہ کتاب اسلام کے فلسفہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم کے فکری ارتقاء ، اخلاقی دینی اور عمرانی تصورات نیز برعظیم ہند و پاک میں مسلمان قوم کی تعلیمی تحریکات پر جہاں خوبصورت ، دلنشین اور حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے وہاں مسلمانوں کی تعلیم پر عالمی کانفرنس کی سفارشات کی وضاحت و تجزیہ بھی ہے ۔ کتاب کے ۹ ابواب ہیں پہلا اور دوسرا باب فلسفہ تعلیم اور فکری ارتقاء پر مشتمل ہے تو تیسرا تعلیم کے اخلاقی تصوّر کی وضاحت پر مبنی ہے ، چوتھے میں غزالی کے حوالہ سے دینی تصور، پانچویں میں ابن خلدون کے حوالہ سے عمرانی تصوّر اور چھٹے میں شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے فن کتاب دانی پر نہایت شستہ گفتگو ہے ۔ ساتواں باب علامہ اقبال کے لئے وقف ہے اور اس میں تعلیم کے نفسیاتی تصوّر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے ۔ آٹھواں باب ہند و پاک کی تعلیمی تحریکات دیوبند ، علیگڑھ ، ندوہ اور جامعہ ملیہ پر مشتمل ہے تو نواں عالمی کانفرنس کی سفارشات کی وضاحت و تجزیہ کا حامل ہے۔

صدیقی صاحب نے بڑی محنت سے یہ حقیقت پسندانہ اور تجزیاتی کتاب مرتب کی ہے ۔ اس قسم کے موضوعات پر گفتگو سہل نہیں ہوتی لیکن وہ اس میں خاصے کامیاب رہے ہیں ممکن ہے کہیں اختلاف کا پہلو ہو اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے لیکن مجموعی طور پر یہ کتاب لائق مطالعہ اور قابلِ قدر ہے ۔ صدیقی صاحب کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلامیہ بھی مستحق تبریک ہے ۔ جس نے یہ علمی کتاب چھاپی ۔ امید کہ اہل نظر اس کی قدر کریں گے ۔

ھجاء اللغۃ العربیہ

عربی زبان کی دینی اہمیت تو مسلّم تھی اب دوسرے حوالوں سے بھی اس کا چرچا ہے اس لئے لغت عربی سیکھنے کی غرض سے مختلف ادارے بہت کچھ چھاپ رہے ہیں اور نئی نئی چیزیں مرتّب ہو رہی ہیں ۔ اسی سلسلہ کی کڑی ہے جو جامعۃ علوم اسلامیہ زرگری ضلع کوہاٹ کے شعبہ لغت عربی نے ابتدائی درجوں کے طلبہ کے لئے مرتب کیا ۔ سید نصیب علی شاہ بخاری جو ایک باصلاحیت نوجوان ہیں انہوں نے اسے مرتب کیا ہے جا بجا تصاویر کے ذریعہ انہوں نے حروف ھجا بچوں کو ذہن نشین کرانے کی قابل قدر کوشش کی ہے ۵۰/۳ روپے میں یہ رسالہ حاصل کرکے اپنے بچوں کو اس سے روشناس کرائیں انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا ۔

دعائے نیم شب

فیض لودھیانوی، لاہور

ہر کوچے میں کھیل رہا ہے بچہ بچہ گیند اور بلّا
میری قوم کی خیر ہو اللہ
لہو و لعب میں اتنی رغبت ہر راغب ہے گویا جھلّا
میری قوم کی خیر ہو اللہ
ہٹ لگنے سے ٹوٹی عینک چیختا رہ گیا میرِ محلّہ
میری قوم کی خیر ہو اللہ
بے دینوں سے رُک نہیں سکتا افرنگی تہذیب کا ہلّہ
میری قوم کی خیر ہو اللہ
ہلکے ہیں روحانی حلقے بھاری ہے شیطان کا پلّہ
میری قوم کی خیر ہو اللہ
عام ہوئی دشنام طرازی کوئی بھڑوا کوئی دلّا
میری قوم کی خیر ہو اللہ
گمراہوں نے مسخ کیا ہے علم و ادب کا روئے مجلّٰی
میری قوم کی خیر ہو اللہ
گرگوں سے محفوظ نہیں ہے آوارہ بھیڑوں کا گلّہ
میری قوم کی خیر ہو اللہ
آٹھ آنے کی سادہ روٹی کتنا مہنگا ہو گیا غلّہ
میری قوم کی خیر ہو اللہ
مظلوموں کی آہِ رسا سے کانپ اُٹھا ہے عرشِ معلّٰی
میری قوم کی خیر ہو اللہ
فیض وطن کے لیڈر جاگیں توبہ توبہ حاشا و کلّا
میری قوم کی خیر ہو اللہ

بقیہ: احادیث الرسولؐ

جائے گا۔"

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجلس میں موجود شخص حمایت کرنے پر قادر نہیں تو وہ کیا کرے؟ اسے چاہئے کہ وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اور اس مجلس سے الگ ہو جائے۔ کیونکہ اس بُرے عمل سے الگ ہو جانا اور اس کو دل میں بُرا سمجھنا تو اس کے بس میں ہے کوئی پکڑ کر اسے بٹھا تو نہیں لے گا؟

ایک حدیث میں ہے:۔

"حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے اپنے بھائی کی غیر حاضری میں اس کا گوشت کھاتے سے لوگوں کو روک دیا تو اللہ رب العزت اسے ضرور بالضرور آگ سے نجات دے گا۔"

ایک حدیث میں ہے:۔

"جس نے ایک ایماندار آدمی کو منافق کے ہاتھ سے بچا لیا اللہ رب العزت اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو قیامت کے دن اس کے بدن کو دوزخ کی آگ سے بچائیگا اور جس نے کسی کو رسوا کرنے کی غرض سے کوئی بات اس کے ذمہ لگائی۔ اللہ رب العزت اسے جہنم کے پُل پر روک رکھے گا۔ جب تک وہ اپنے قول سے بری نہ ہو جائے۔"

غیبت کی سزا کا صحیح اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جس کا تعلق معراج کے عظیم الشان واقعہ سے ہے جب نبی کریم علیہ السلام نے دوزخ کا مشاہدہ کیا تو ایسی قوم آپؐ کو دکھائی گئی جن کے ناخن پیتل کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے نوچ رہے تھے۔ جب آپ نے جبرئیل امین علیہ السلام نے ان سے پوچھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) اور ان کی عزت، آبرو کے پیچھے پڑے رہتے۔

اور اس کا کفارہ حضور علیہ السلام نے یوں فرمایا۔ کہ "جس کی تو نے غیبت کی ہے اس کے لئے مغفرت کی دعا کر اور یوں کہہ کہ اے اللہ! ہمیں بھی اور اسے بھی بخش دے۔"

گویا اگر وہ شخص دنیا سے جا چکا ہے اور کسی وجہ سے جو معقول ہے، ملنا ممکن نہیں تو ایسی دعا کرے اور برابر کرتا رہے ورنہ اصل یہ ہے کہ اس سے مل کر معاف کرا لے کہ آج کی معافی فائدہ پہنچائے گی قیامت کے دن ——— اللہ تعالیٰ اس برے عمل سے بچائے ——— واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

منظور شدہ ۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء محکمہ تعلیم ۳۔ کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری D.D-۲۰۷۶۷/۹/۳۹ مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M/۲-۴۰-۱۰-۱۵۴۱ مارچ ۵۸